السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

کافی عرصہ ہوا 'الدعوۃ'' میں یہ مسئلہ نظروں سے گزراکہ ثُمَّ استَوىٰ عَلَى العَرشِ ... سورۃ یونس "۳" اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے۔چنانچہ یہ عقیدہ نہیں رکھنا چاہیے۔کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے۔ بلکہ اس کی قدرت ہر جگہ موجود ہے۔ اس سلسلے میں صحیح عقیدے کی وضاحت مطلوب ہے؟

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

بلاریب اللہ عزوجل کا عرش پر مستوی ہونا متعدد قرآنی نصوص سے ثابت ہے۔ اور بہت ساری احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی مفہوم کی موکد وموید ذخیرہ کتب محدثین میں موجود ہیں جن کو تواتر معنوی کا درجہ حاصل ہے اور ائمہ سلف کے بے شمار اقوال وآثار اس بات پر مصرح ہیں جو تاویلات باطلہ کے قطعا متحمل نہیں ہیں۔ لفظ ''عرش'' کے معنی ''تخت'' اور ''بلند مقام'' کے ہیں۔

الازہری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا : العرش فی کلام العرب سیر الملک ''یعنی بادشاہ کا تخت

اور جوہری رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے :

''العرش سریر الملک وعرش البیت سقفہ والعرش والعریش مایستظل بہ وعرش القدم ماتتافی ظہرہاوفیہ الاصابع وعرش البئر طیہا بالخشب بعدان یطوي اسفلہا بالحجارۃ قدر قامۃ لذلک الخشب ہوالعرش والجمع عروش وعرش یعرش ویعرش عرشا اي بنی بناء من خشب'' (الصحاح: 1/349۔350

ڈاکٹرؒ غنیمان فرماتے ہیں۔ جو کچھ اہل لغت نے زکر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرش بلند وبالا تخت کا نام ہے جس کے اوپر بادشاہ براجمان ہوتا ہے اراس کا اطلاق چھت پر بھی ہوتا ہے۔ اور رب جل وعلا کے عرش پر (دونوں معنی مطبق ہیں۔ وہ اس کے مستوی ہونے کا محل ہے اور کائنات کے لئے چھت بھی ہے۔ (شرح کتاب التوحید من صحیح البخاری: 1/350

اور لفظ ''استواء'' کی تعبیر میں سلف سے مختلف الفاظ منقول ہیں

چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

''قال ابوالعالیۃ : استوي الی السماء ''اي ارتفع فسواہن ''خلقہن وقال مجاہد : ''استوي علافی العرش''

یعنی ابوالعالیہ نے کہا استوي الی السماء کا معنی ہے آسمان کی طرف چڑھا ''فسواہن'' ان کو پیدا کیا۔

اور مجاہد نے کہا : استوي کا معنی ہے عرش پر بلند ہوا۔ (ترجمۃ الباب صحیح بخاری 1۔

ربیع بن انس نے کہا :

ثم استوي الی السماء : ارتفع الی السماء''

(تفسیر طبری: 1/429 تحقیق محمود شاکر)

اور لالکائی نے بسند بشر بن عمر سے بیان کیا ہے میں نے کئی ایک مفسرین

سے سنا ہے وہ کہتے تھے (الرَّحمٰنُ عَلَى العَرشِ استَوىٰ) ارتفع

صحیح بخاری کتاب التوحید باب (وکان عرشہ علی الماء 1 ۔)

(شرح اصول اعتقاد اھل السنۃ)

اور حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

''الاستواء : الاستقرار فی العلو وبهذا خاطبنا الله عزوجل فقال : لتستووا على ظهوره ثم تذكروا نعمة ربكم اذا استويتم عليه ''

کلبی اور مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا : ''استقر'' قرار پکڑا اور ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا صعد چڑھا ۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ ائمہ سے یہ معانی نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں : معتزلہ نے استواء کی تاویل ''استیلاء'' یعنی غلبہ سے کی ہے ۔

اواہل سنت کہتے ہیں :

(الاستواء على العرش صفة الله تعالىٰ بلا كيف يجب على العبد الايمان به ويكل العلم فيه الى الله عزوجل (تفسير البغوى : 2/237

یعنی عرش پر مستوی ہونا کیفیت بیان کرنے کے بغیر اللہ کی صفت ہے بندے پر واجب ہے کہ اللہ پر ایمان لائے اور اس میں کنہ کا علم اللہ کے سپرد کردے ۔

اور صاحب ''التحفة المهدية شرح الرسالة التدميرية'' مذکورہ الفاظ کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔ :

(وهذه العبارات وان اختلفت فمقصودهم واحد وهو اثبات علو الله على العرش '' (١/١٤٧

تاہم جن لوگوں نے ''استوی'' کی تاویل ''استولیٰ'' (غالب ہوا) سے کی ہے ان کا استدلال ایک شعر سے ہے

ثم استوى بشر على العراق من غير سيف او دم مهراق

یعنی بشر عراق پر بلا قتل وغارت کے غالب آگیا ۔ لیکن اس کے بارے میں صاحب التحفۃ المھدیۃ فرماتے ہیں :

''ولم يثبت بنقل صحيح انه شعر عربي وكان غير واحد من ائمة اللغة قد انكروه وقالوا : انه بيت مصنوع لايعرف فى اللغة ''

''یعنی یہ بات پایہ ثبوت کو نہیں پہنچ سکی کہ یہ عربی شعر ہو بہت سارے ائمہ لغت نے اس کا انکار کیا ہے انہوں نے کہا کہ یہ لغت میں غیر معروف اور من گھڑت شعر ہے ۔ ''

چنانچہ ابو المظفر اپنی کتاب ''الافصاح'' میں فرماتے ہیں :

''سئل الخليل هل وجدت فى اللغة استوى بمعنى استولى ؟ فقال : هذا مالا تعرفه العرب ولا هو جائز فى لغتها ''

''یعنی خلیل سے دریافت ہوا کہ تو نے لغت میں ''استوی'' بمعنی ''استولیٰ'' (غالب ہوا) پایا ہے ۔ کہا یہ وہ شے ہے جس سے عرب ناواقف ہیں ۔ اور نہ ان کی زبان میں یہ جائز ہی ہے ۔ ''

ابو نصر سجزی نے ''الابانۃ'' میں کہا ہے :

وائمتنا كسفيان ومالك والحمادين وابن عيينة والفضيل وابن المبارك واحمد ابن حنبل واسحاق متفقون على ان الله سبحانه فوق العرش وعلمه بكل مكان وانه ينزل الى سماء الدنيا وانه يغضب ويرضى ويتكلم بما شاء '' (سير اعلام النبلاء
17/650:)

یعنی ہمارے ائمہ جیسے سفیان مالک دونوں حماد ابن عینیہ الفضیل ابن المبارک احمد بن حنبل اور اسحاق سب اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ عرش کے اوپر ہے اور اس کا علم ہر جگہ ہے ۔ اور وہ آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے ۔ وہ راضی ناراضی ہوتا ہے جس شے کے ساتھ چاہتا ہے کلام کرتا ہے ۔ ''

''ان نصوص سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے عرش پر مستوی ہے : کما یلیق بجلالہ

البتہ اس کا علم ہر شے کو محیط ہے ۔ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ١٢ ... سورة الطلاق" جملہ اہلسنت کا یہی عقیدہ ہے ۔ اس کا خلاف الحاد اور گمراہی ہے ۔

هذا ما عندي والله اعلم بالصواب